جنگِ آزادی ۱۸۵۷ء
(واقعات و شخصیات)
محمد ایوب قادری
پاک اکیڈمی ۱/۴۱ وحید آباد، کراچی ۱۸

جہاد کا فتویٰ اور اسکے مفتیانِ کرام

دہلی میں جنگ آزادی کا آغاز یوں تو ۱۱ مئی ۱۸۵۷ء کو ہوا اور بہادر شاہ ظفر کا اقتدار قائم ہوگیا مگر تحریک میں ضبط و تنظم اور عوام میں جوش و جذبہ ۲ جولائی ۱۸۵۷ء جنرل بخت خاں کے دہلی پہونچنے کے بعد پیدا ہوا۔ جنرل بخت خاں نے پہلا کام یہ کیا کہ اس نے دہلی کے علماء سے جامع مسجد دہلی میں جہاد کا فتویٰ مرتب کرایا۔ یہ فتویٰ اس زمانے کے اخبارات ظفر الاخبار اور صادق الاخبار میں شائع ہوا۔ اس کے بعد دہلی میں جہاد کا خوب چرچا ہوگیا[1]۔

شمس العلما مولوی ذکاء اللہ نے اپنے سرکار پرستی کے جذبے کے تحت مندرجہ ذیل الفاظ میں اس سرگزشت کو قلمبند کیا ہے[2]۔

> "جب تک دہلی میں بخت خاں نہیں آیا جہاد کے فتوے کا چرچا شہر میں بہت کم تھا۔ مساجد میں منبروں پر جہاد کا وعظ کم تر ہوتا تھا۔ دہلی کے مولوی اور اکثر مسلمان خاندان تیمور کو ایسا خولہ خبطہ جانتے تھے کہ وہ ناممکن سمجھتے تھے کہ اس خاندان کی بادشاہی ہندوستان میں ہو۔ مگر اس کے ساتھ جاہل مسلمانوں کا یہ یقین تھا کہ انگریزی سلطنت کے بدن میں یہ ایک ایسا

---

[1] سر سید احمد خاں۔ اسباب بغاوت ہند مقدمہ ڈاکٹر ابو اللیث صدیقی، کراچی ۱۹۵۷ء ص ۱۰

[2] ذکاء اللہ۔ ص ۶۶۵ - ۶۶۶

> پھوڑا نکلا ہے کہ وہ جانبر نہ ہو گی۔ یہ کارٹ لیجے شہدے مسلمانوں کا تھا کہ وہ جہاد جہاد پکارتے پھرتے تھے مگر جب بخت خاں جس کا نام اہلِ شہر نے کم بخت خاں رکھا تھا، دہلی میں آیا تو اس نے یہ فتویٰ لکھایا کہ مسلمانوں پر جہاد اس لئے فرض ہے کہ اگر کافروں کو فتح ہو گی تو وہ ان کے سب بیوی بچے قتل کر ڈالیں گے اس نے جامع مسجد میں مولویوں کو جمع کر کے جہاد کے فتوے پر دستخط و مہریں ان کی کرا لیں ....
> اس فتوے کا اثر یہ تھا کہ جاہل مسلمانوں میں جوشِ مذہبی زیادہ ہو گیا...... غرض جہاد کا غل مچانا اور محمدی جھنڈا لگانا رزیل و ذلیل مسلمانوں کا کام تھا[1]"

عبدالشاہد خاں شروانی نے علامہ فضل حق خیرآبادی کو جہاد کے فتوے کا ہیرو ثابت کرنے کے لئے ایک دوسری ہی روایت گڑھی ہے، وہ لکھتے ہیں[2]:

> "علامہ (فضل حق) سے جنرل بخت خاں ملنے پہونچے مشورے کے بعد علامہ نے آخری تیر ترکش سے نکالا، بعد نماز جمعہ جامع مسجد میں علماء کے سامنے تقریر کی استفتاء

---

[1] شمس العلماء ذکاء اللہ کی سرکار پرستی اور اخلاقی تہی دستی ملاحظہ ہو۔

[2] باغی ہندوستان۔ صفحہ ۱۵۱ لطف کی بات یہ ہے کہ اس عبارت پر حوالہ دیا ہے "تاریخ ذکاء اللہ" گویا یہ ساری کیفیت تاریخ ذکاء اللہ کی بنیاد پر بیان کی گئی ہے۔ حالانکہ آخری جملہ "دہلی میں نوے ہزار سپاہ جمع ہو گئی تھی" تاریخ ذکاء اللہ سے مقتبس ہے۔

پیش کیا۔ مفتی صدر الدین خاں آزردہ صدرالصدور دہلی، مولوی عبدالقادر، قاضی فیض اللہ دہلوی، مولانا فیض احمد بدایونی، ڈاکٹر مولوی وزیر خاں اکبرآبادی سید مبارک شاہ رامپوری، نے دستخط کر دیئے اس فتوے کے شائع ہوتے ہی ملک میں عام شورش بڑھ گئی۔ دہلی میں نوّے ہزار سپاہ جمع ہوگئی تھی؛

مولوی عبدالشاہد خاں شروانی نے یہ حکایت معلوم نہیں کہاں سے وضع کی ہے۔ جہاد کے فتوے پر مولانا فضل حق خیرآبادی، قاضی فیض اللہ مولوی فیض احمد بدایونی، ڈاکٹر وزیر خاں اور سید مبارک شاہ رام پوری میں سے کسی کے دستخط بھی نہیں ہیں۔ مولوی فضل حق خیرآبادی تو وسط اگست ۱۸۵۷ء میں دہلی پہونچے تھے۔ اس وقت تک یہ فتوی مشتہر ہو چکا تھا لہٰذا ان کے دستخط کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

فتوے کا متن درج ذیل ہے۔

استفتاء

"کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس امر میں کہ اب جو انگریز دلی پر چڑھ آئے اور اہل اسلام کی جان و مال کا ارادہ رکھتے ہیں اس صورت میں اب اس شہر والوں پر جہاد فرض ہے یا نہیں اور اگر فرض ہے تو وہ فرض عین ہے یا نہیں اور وہ لوگ جو اور شہروں اور بستیوں کے رہنے والے ہیں ان کو بھی جہاد چاہیئے یا نہیں بیان کرو اللہ تم کو اجر دے گا۔"

جواب

"درصورت مرقوم فرضِ عین ہے اوپر تمام اس شہر کے لوگوں کے

اور استطاعت ضرور ہے اس کی فرضیت کے واسطے
چنانچہ اس شہر والوں کو طاقت مقابلے اور لڑائی کی ہے
بسبب کثرت اجتماع افواج کے، اور مہیا اور موجود
ہونے آلات حرب کے تو فرض عین ہونے میں کیا
شک رہا اور اطراف وحوالی کے لوگوں پر جو دور ہیں
باوجود خبر کے فرض کفایہ ہے۔ ہاں اگر اس شہر کے
لوگ باہر ہو جائیں مقابلہ سے یا سستی کریں اور مقابلہ
نہ کریں تو اس صورت میں ان پر بھی فرض عین ہو جائے گا
اور اسی طرح اسی ترتیب سے سارے اہل زمین پر شرقاً اور
غرباً فرض عین ہو جائیگا اور جو عدو اور بستیوں پر ہجوم اور غارت
اور قتل کا ارادہ کریں تو اس بستی والوں پر بھی فرض ہو جائے گا
بشرط ان کی طاقت سے۔

دستخط

المجیب مصیب احقر العباد نور جمال عفی عنہ۔ العبد محمد
عبد الکریم۔ فقیر سکندر علی سید محمد نذیر حسین۔
رحمت اللہ۔ مفتی صدر الدین۔ مفتی اکرام الدین معروف
سید رحمت علی۔ محمد ضیاء الدین۔ عبد القادر
فقیر احمد سعید۔ محمد منیر خاں العبد مولوی عبد الغنی
خادم العلماء مولوی محمد علی فرید الدین محمد سرفراز علی
سید محبوب علی جعفری ابو احمد محمد حامی الدین
العبد سید احمد علی الٰہی بخش محمد کریم اللہ
مولوی سعید الدین محمد مصطفےٰ خاں ولد حیدر شاہ
نقشبندی محمد انصار علی حفیظ اللہ خاں

محمد نور الحق محمد ہاشم، حیدر علی، العبد سیف الرحمٰن، سید محمد
محمد امداد علی عفی عنہ۔ سید عبد الحمید عفی عنہ۔ ضیاء الفقہاء
سراج العلماء مفتی عدالت العالیہ محمد رحمت علی خاں
خادم الشرع شریف رسول الثقلین قاضی القضاۃ محمد علی حسین[1]

اس فتوے پر چونتیس[2] علماء کرام کے دستخط ہیں۔ اس فہرست کو ہم تین حصوں میں تقسیم کر سکتے ہیں۔

(۱) پہلے وہ علمائے کرام ہیں جو اس فتویٰ جہاد کے بانی، مبلغ اور اس فتوے کو از روئے شریعت صحیح اور حق سمجھتے تھے ان لوگوں میں مندرجہ ذیل حضرات ہیں۔

۱۔ مولوی رحمت اللہ ۲۔ شاہ احمد سعید ۳۔ شاہ عبد الغنی ۴۔ مولوی محمد سرفراز علی فرید الدین۔ سیف الرحمٰن الدھیانوی ۸۔ عبد القادر

مولوی رحمت اللہ کیرانوی[3] کے متعلق مولوی ذکاء اللہ لکھتے ہیں۔

"سب سے اوّل مولوی رحمت اللہ کیرانہ سے اس ٹوہ میں آئے کہ دہلی میں جہاد کی کیا صورت ہے وہ بڑے عالم فاضل تھے، عیسائی مذہب کی رد میں صاحب تصنیف تھے وہ قلعہ کے پاس مولوی محمد حیات کی مسجد میں اترے۔"

مولوی رحمت اللہ کا دہلی سے برابر تعلق رہا۔ عبد اللطیف کے بیان کے مطابق مولوی رحمت اللہ دسویں جولائی کو بخت خاں بریلوی کے ساتھ نہیں بلکہ دو سو اہل نجیب آباد کے ہمراہ دہلی پہونچے[4]۔ اور یہ بھی یقینی

---

[1] فتوے کے لئے ملاحظہ ہو خورشید مصطفےٰ رضوی۔ ص ۵۶۸ - ۵۶۹ - امداد صابری ۱۸۵۷ء کے مجاہد شعراء، ص ۱۴۸ - ۱۴۹ - و تنقیق صدیقی ص ۱۹۰ - ۱۹۹ و نوائے آزادی مرتبہ عبد الرزاق قریشی ادبی پبلشرز بمبئی ۱۹۵۷ء ص ۱۹۵ [2] ایک نام پڑھنے میں نہیں آیا [3] مولوی رحمت اللہ کے حالات دیکھئے آثار رحمت [4] عبد اللطیف ص ۸۰

بات ہے، کہ جولائی کے مہینے میں فتویٰ جہاد مرتب ہوا،

مولوی امداد صابری صاحب نے دہلی کی جامع مسجد کے واگزاشت ہونے کے سلسلے میں ۱۸۶۰ء کے ایک فتوے کی روشنی میں یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ یہ دستخط مولوی رحمت اللہ کیرانوی کے نہیں بلکہ ایک دوسرے مولوی رحمت اللہ دہلوی کے ہیں[1]۔

مولوی امداد صابری لکھتے ہیں[2]۔

"اس فتوے کے دستخط کرنے والے مولانا رحمت اللہ صاحب کیرانوی نہیں تھے، بلکہ دہلی کے مولانا رحمت اللہ صاحب تھے لیکن اس فتوے کے مرتب کرنے میں مولانا رحمت اللہ صاحب (کیرانوی) شامل تھے"

فتویٰ مرتب کرنے میں شمولیت کے کیا معنی اگر ان کے دستخط نہ تھے یہاں ایک بات خاص طور سے قابل توجہ ہے کہ ـــــ ۱۸۶۰ء کے جس فتوے کا حوالہ امداد صابری صاحب نے دیا ہے اس پر دستخط کے الفاظ "محمد رحمت اللہ" ہیں[3]۔ اور فتویٰ جہاد میں صرف "رحمت اللہ" ہیں۔

شاہ احمد سعید مجددی، شاہ ابوسعید مجددی کے نامور فرزند، عالم اور محدث تھے۔ ہمارے خیال سے دہلی میں سب سے پہلے جہاد کا چرچا انہوں نے ہی شروع کیا[4]۔ کمال الدین حیدر حسینی لکھتے ہیں[5]۔

"مولوی احمد سعید شاہ غلام علی کے نواسے مجتہد اہل سنت

---

[1] ملاحظہ ہو آثار رحمت۔ از امداد صابری (دہلی ۱۹۶۸ء) صفحہ ۲۲۳۔ ۲۲۹ [2] آثار رحمت صفحہ ۲۲۴ [3] تاریخ صحافت اردو جلد اول از امداد صابری طبع دوم دہلی ۱۹۶۸ء، صفحہ ۱۴۳ [4] عبد اللطیف صفحہ ... [5] قیصر التواریخ جلد دوم۔ صفحہ ۴۵

وہ جامع مسجد میں علم جہاد کے اٹھانے کے باعث ہوئے
اور اہل اثنا عشری شریک اس جہاد کے نہ ہوئے
کس واسطے کہ ان کے مذہب میں غیبت امام میں جہاد
حرام ہے۔"

شاہ صاحب احمد سعید سقوط دہلی کے بعد ۱۸۵۷ء میں اپنے اہل وعیال کو لیکر حجاز چلے گئے اور وہیں ۱۲۷۷ھ میں ان کا انتقال ہوا[1]۔

شاہ عبد الغنی شاہ احمد سعید کے برادر خورد اور شاہ ابو سعید مجددی کے فرزند اصغر تھے۔ وہ ۱۲۳۵ھ میں پیدا ہوئے اپنے دور کے نامور عالم اور محدث تھے۔ شاہ محمد اسحاق دہلوی کے تلمیذ و جانشین تھے۔ انہوں نے جہاد کے فتوے پر دستخط کئے۔ اور پھر اپنے بھائی کے ہمراہ حجاز تشریف لے گئے اور وہیں ۱۲۹۶ھ میں انتقال ہوا۔ ان کے تلامذہ میں سے علمائے دیوبند، مولانا محمد قاسم نانوتوی مولانا رشید احمد گنگوہی وغیرہ خاص طور پر قابل ذکر ہیں جنہوں نے اپنے شیخ کے اتباع میں تحریک آزادی میں حصہ لیا[2]۔

مولانا سرفراز علی تحریک مجاہدین کے سرگرم کارکن اور امام المجاہدین تھے، شمس العلماء ذکاء اللہ لکھتے ہیں[3]:

"دہلی میں جب باغی سپاہ کے افسر اعلیٰ بخت خاں
وغوث محمد خاں و مولوی امام خاں رسالدار جمع ہوئے
اور ان کے ساتھ مولوی عبد الغفار اور مولوی سرفراز علی
آئے تو پھر وہابیوں کا اجتماع دہلی میں شروع ہوا اور
مولوی سرفراز علی جہادیوں کے سرگرم کارکن اور امام المجاہدین

---

[1] ملاحظہ ہو تذکرہ کاملان رام پور۔ ص۱۱ [2] ملاحظہ ہو تذکرہ علمائے ہند ص۳۱۰۔ [3] ذکاء اللہ ص۶۰۵

اس کا معاون ہوا۔"

مولوی فرید الدین دہلی کے مشہور عالم تھے ۲ صفر ۱۲۷۴ھ کو انہیں گولی ماردی گئی مولوی سیف الرحمٰن مولانا عبدالقادر لدھیانوی کے صاحبزادے تھے۔ اور کابل ہجرت کر گئے۔

(۲) دوسرے گروہ میں وہ حضرات ہیں جن کے دستخط تو فتوے پر ہیں مگر وہ دل سے اس تحریک میں شریک نہیں تھے۔ بلکہ انہوں نے مجبوراً دستخط کئے تھے، اور دستخط کرنے کے باوجود وہ سرکار انگریزی کے وفادار رہے، انہوں نے انگریزوں کو چھپایا، جاسوسی کے فرائض انجام دئے اور تحریک آزادی کی مخالفت کی، ان میں یہ حضرات ہیں۔

(۱) شیخ الکل شمس العلماء میاں سید محمد نذیر حسین

(۲) شمس العلماء مولوی ضیاء الدین (۴) مولوی سید محبوب علی جعفری

(۵) مفتی صدرالدین آزردہ (۶) مولوی حفیظ اللہ خاں۔

مولوی میاں نذیر حسین بن جواد علی، سورج گڑھ (بہار) میں سنہ ۱۲۲۰ھ میں پیدا ہوئے علماء دہلی سے تحصیل علم کی اہل حدیث کے مقتدا ٹھہرے مولوی صاحب نے ایک طرف تو جہاد کے فتوے پر دستخط کئے اور دوسری طرف انہوں نے ایک انگریز عورت مسز لیسنس کو پناہ دی۔[۱]

مولوی نذیر حسین نے جہادیوں کے ڈر کی وجہ سے دستخط کئے تھے افتخار عالم مارہروی لکھتے ہیں[۲]

"آفت یہ ٹوٹ پڑی کہ دوران بغاوت جنرل بخت خاں نے ان مولویوں سے زبردستی جہاد کے فتوے پر مہریں کرالیں۔"

۱ه ریاض الانوار ص ۲۰۲ و مابعد
۲ه حیات النذیر ص ۳۹ - ۴۷

میاں نذیر حسین کے سوانح نگار نے دستخط کرنے سے بھی انکار کر دیا[۱]

شمس العلماء ذکاء اللہ لکھتے ہیں[۲]

"جن مولویوں نے فتوے پر مہریں کی تھیں وہ کبھی بہادری پر انگریزوں سے لڑنے نہیں گئے مولوی نذیر حسین جو وہابیوں کے مقتدا اور پیشوا تھے ان کے گھر میں تو ایک میم چھپی بیٹھی تھی۔"

مولوی نذیر حسین کو اس صلے میں ایک ہزار تین سو روپے انعام ملا اس سلسلے میں ایک سرٹیفکیٹ میاں نذیر حسین کی سوانح عمری سے نقل کیا جاتا ہے

"دہلی مورخہ ۲۱ ستمبر ۱۸۶۸ء

ڈبلیو۔ جی۔ واٹرفیلڈ۔ قائم مقام کمشنر دہلی۔

"مولوی نذیر حسین اور ان کے بیٹے مولوی شریف حسین اور ان کے دوسرے گھر والے غدر کے زمانے میں مسز لیسنس کی جان بچانے میں ذریعہ ہوئے، حالت مجروحی میں انہوں نے ان کا علاج کیا، ساڑھے تین مہینے اپنے گھر میں رکھا اور بالآخر دہلی کے برٹش کیمپ میں ان کو پہونچا دیا۔"

وہ کہتے ہیں کہ ان کے انگریزی سرٹیفکیٹ ایک آتش زدگی میں جو ان کے مکان واقع دہلی میں ہوئی تھی جل گئے۔ میں کہتا ہوں کہ یہ ان کا کہنا بہت ہی قرین امکان ہے۔ غالباً ان کو جنرل نیول چمبرلین جنرل برن اور کرنل سانڈرز وغیرہم سے سرٹیفکیٹ ملے تھے مجھ کو وہ واقعات اور مسز لیسنس کا کیمپ میں آنا اچھی طرح یاد ہے

---

[۱] الحیات بعد الممات۔ از فضل حسین (طبع دوم کراچی ۱۹۵۹ء) صفحہ ۱۲۵ واشاعت السنہ لاہور جلد ۵ نمبر ۱ بحوالہ آثار رحمت۔ صفحہ ۲۲۸۔۲۲۷ [۲] ذکاء اللہ۔ صفحہ ۶۷۶ و افتخار عالم مارہروی صفحہ ۳۹

ان لوگوں کو اس خدمت کے صلے میں مبلغ دو سو اور چار سو روپیہ ملے تھے۔ مبلغ سات سو روپے بابت تاوان منہدم کئے جانے مکانات کے ان لوگوں کو عطا کئے گئے تھے۔ یہ لوگ ہماری قوم سے حسنِ سلوک اور الطاف کے مستحق ہیں۔"

مسز لیننس کی جان بچانے میں شمس العلماء ڈپٹی نذیر احمد بھی شامل تھے اور بقول افتخار عالم مارہروی اس انگریز خاتون کو وہی اٹھا کر لائے تھے[1]۔ اور جنگِ آزادی کے بعد جب ڈپٹی نذیر احمد دہلی کے ڈپٹی انسپکٹر مقرر ہوئے تو میاں نذیر حسین کے صاحبزادے مولوی شریف حسین (ف ۱۳۰۴ھ) نے اس کو اپنے باپ کا حق سمجھا۔ مولوی افتخار عالم مارہروی لکھتے ہیں[2]۔

"مولوی شریف حسین نے دعوی کیا کہ مولوی نذیر احمد
صاحب کو جو نوکری مل گئی ہے وہ میرے باپ مولوی نذیر
حسین صاحب کا حق ہے ..... ان لغو باتوں کا نتیجہ
ہوا کہ دونوں خاندانوں میں تا ایندم صفائی نہیں ہوئی"

شمس العلماء شیخ ضیاء الدین دلی کالج کے تعلیم یافتہ، نارمل اسکول کے مدرس، دلی کالج کے عربی کے پروفیسر اور پھر اکسٹرا اسسٹنٹ مقرر ہوئے ان کے والد داروغہ شیخ محمد بخش لبی تحصیل دہلی کے رہنے والے تھے۔ اور وہ خاص دہلی کے تھانیدار تھے۔ مولوی بشیر الدین لکھتے ہیں[3]۔

"یہ خاندان گورنمنٹ کا خیر خواہ تھا۔ غدر میں پھرج
کی پہاڑی پر خبر رسانی کرتے تھے جس کے صلے میں کچھ اراضی
انعام ملی ہوئی ہے۔ مولوی صاحب (ضیاء الدین)

---

[1] افتخار عالم مارہروی - ص۴۴

[3] واقعات دار الحکومت دہلی جلد دوم - ص۱۱۹

مولوی مملوک علی نانوتوی مشہور عالم کے شاگرد تھے
اور مفتی صدرالدین خاں صدر الصدور سے بھی
فارسی تحصیل کی تھی، ایام غدر میں دہلی کالج میں مدرس
ہوئے۔"

۱۳۲۶ھ میں شمس العلماء ضیاء الدین کا حجاز میں انتقال ہوا۔

مولوی سید محبوب علی بن صاحب علی اس دور کی نامور شخصیت ہیں وہ ۱۲۰۰ھ میں پیدا ہوئے خاندان عزیزی کے مشہور شاگرد تھے حضرت سید احمد شہید کے ہمراہ سکھوں سے جہاد کے لیے یاغستان گئے مگر وہاں کے حالات دیکھ کر انہوں نے اختلاف کیا اور اپنی جماعت کے ساتھ واپس چلے آئے ۱۸۵۷ء میں بھی انکی سرگرمیاں کچھ اسی نوع کی رہیں۔ سرسید احمد خاں لکھتے ہیں[1]۔

"مولوی محبوب علی صاحب وہ شخص تھے جن کو
۱۸۵۷ء میں باغیوں کے سرغنہ بخت خاں نے عین ہنگامہ
غدر میں طلب کیا۔ اور ان سے یہ درخواست کی کہ
آپ اس زمانے میں انگریزوں پر جہاد کرنے کی نسبت
ایک فتوے پر دستخط کریں مولوی محبوب علی صاحب نے
صاف انکار کیا اور بخت خاں سے کہا کہ ہم مسلمان گورنمنٹ
انگریزی کی رعایا ہیں، ہم اپنے مذہب کی رو سے اپنے
حاکموں سے مقابلہ نہیں کر سکتے اور طرہ بریں یہ ہوا کہ
جو ایذا بخت خاں اور اس کے رفیقوں نے انگریزوں کی
میموں اور بچوں کو دی تھی اس کی بابت بخت خاں کو

---

[1] بہنٹر پر ہنٹر از سرسید احمد خاں (لاہور ۱۹۴۹ء) ص ۳۱۔۳۲

سخت لعنت ملامت کی۔"

امیر الروایات میں تو یہ بھی لکھا ہے کہ ان کو کچھ انعام بھی ملا تھا[1] جسے لینے سے انہوں نے انکار کر دیا۔ ۱۸۶۴ء میں محبوب علی کا انتقال ہوا۔

مولوی عبدالقادر بن حکیم حافظ عبدالوارث لدھیانوی نامور عالم تھے[1]۔ انھوں نے جنگ آزادی ۱۸۵۷ء میں مردانہ وار حصہ لیا۔ اس میں انکے بڑے بھائی اور چاروں صاحبزادگان مولوی سیف الرحمٰن، مولوی محمد، مولوی عبداللہ اور مولوی عبدالعزیز بھی شریک تھے اور اس خاندان کی شرکت کی وجہ سے لدھیانہ اس تحریک کا خاص مرکز بن گیا تھا۔ ہم نے زیر باب میں ان کا تفصیل سے حال لکھا ہے۔

میاں نذیر حسین اور مولوی حفیظ اللہ خاں وغیرہ کے متعلق سر سید احمد خاں لکھتے ہیں[2]۔

"جن لوگوں کی مہر اس فتوے پر چھاپ لی گئی ہے ان میں سے بعضوں نے عیسائیوں کو پناہ دی اور ان کی جان اور عزت کی حفاظت کی۔ ان میں سے کوئی شخص لڑائی پر نہیں چڑھا۔ مقابلے پر نہیں آیا۔ اگر واقع میں وہ ایسا ہی سمجھتے جیسا کہ مشہور ہے تو یہ باتیں کیوں کرتے۔"

مفتی صدر الدین آزردہ دہلی کے نامی گرامی عالم اور مفتی عدالت[3] تھے۔ انہوں نے مجبوراً فتوے پر مہر کی، مقدمہ چلا نصف جائداد ضبط ہوئی۔ مفتی صاحب کے دستخط کے ساتھ کوئی عبارت موجود نہیں ہے۔ مگر مولف خم خانہ جاوید لکھتے ہیں[4]۔

غدر ۱۸۵۷ء کے بعد آپ بھی مختلف مصائب اور

---

[1] تفصیل کے لیے دیکھیے، محمد اکبر علی صوفی، سلیم التواریخ (جالندھر ۱۹۱۹ء) ص ۴۰۰-۴۰۳۔

[2] اسباب بغاوت ہند۔ ص ۱۰۱ [3] مفتی صدر الدین آزردہ کے حالات کے لئے دیکھئے تذکرہ علمائے ہند ص ۲۴۷، ۲۴۹ [4] خم خانۂ جاوید، از لالہ سری رام حصہ اول، مخزن پریس دہلی، ۱۹۰۲ء ص ۵۴ [5] ارواح ثلاثہ (سہارنپور ۱۳۷۱ھ) ص ۲۲۴

دقتوں میں پھنس گئے تھے اس موقع کا ایک علمی لطیفہ زبانِ زدِ خاص و عام ہے، یعنی مفسدوں نے آپ سے جوازِ جہاد کے فتوے پر زبردستی مہر کرانی چاہی تو آپ نے مہر کے ساتھ یہ الفاظ بھی لکھدیے "فتویٰ بالجبر" مفسدوں نے اس لفظ کو بالخیر سمجھ کر پیچھا چھوڑ دیا۔ مگر جب بعد از فتح دہلی دفتر سے وہ کاغذ برآمد ہوا تو سرکار نے پکڑا اور جواب طلب کیا آپ نے فتویٰ بالجبر ثابت کر کے رہائی پائی۔"

مولوی حفیظ اللہ خاں بھی اسی زمرے میں شامل ہیں، انہوں نے بھی مجبوراً مہر کردی تھی۔ وہ میاں نذیر حسین کے سمدھی اور شاگرد تھے۔ ان کی صاحبزادی مولوی شریف حسین کو منسوب تھیں، وہ اہلِ حدیث کے نامور عالم تھے۔ ۱۸۵۷ء کے بعد ان پر کوئی دار و گیر نہیں ہوئی بلکہ وہ مولوی عبد القادر کے خاندان کی مستورات کو دہلی سے برار لے گئے۔ ۲ رمضان ۱۳۳۴ھ کو ان کا انتقال ہوا۔

مولوی حفیظ اللہ خاں، میاں نذیر حسین اور مولوی عبد القادر علمائے اہلِ حدیث کے سلسلے میں جماعتِ اہلِ حدیث کے وکیل اور اشاعۃ السنہ لاہور کے ایڈیٹر مولوی ابوسعید محمد حسین بن شیخ رحیم بخش بٹالوی لکھتے ہیں[1]۔

"مولوی سرفراز علی نے بحکم بخت خاں وہ فتوے پڑھ کر سنایا۔ جب وہ فتویٰ تمام ہوا تو بخت خاں وغیرہ باغی افسروں نے علماء کو حکم دیا کہ اس فتوے پر اپنے دستخط کردیں ورنہ سب قتل کر دئے جائیں گے۔ پس سب نے بخوف جان کرہاً وجبراً دستخط کر دے اور اگر وہ دستخط نہ کرتے تو اس وقت سب تلوار سے قتل کئے جاتے یا

---

[1] اشاعۃ السنہ لاہور جلد ۵ نمبر ۱ بحوالہ آثار رحمت صفحہ ۲۲۴ - ۲۲۵۔

توپ سے اڑائے جاتے .... ہمارے اس دعوے پر کہ انہوں نے جبراً دستخط کئے ہیں دلی ارادے سے نہیں کئے، ایک بڑی روشن دلیل یہ ہے کہ وہ لوگ دستخط کر کے پھر گھر سے باہر نہ نکلے اور اس جہاد میں شریک نہ ہوئے۔ یہی وجہ ہے کہ جب گورنمنٹ انگلشیہ کا دہلی پر دوبارہ تسلط ہوا تو گورنمنٹ نے ان دستخط کرنے والے مولویوں کو بری الذمہ قرار دیا۔ نہ کسی کو پھانسی دی نہ کسی کا گھر لوٹا۔ باوجودیکہ باغیوں کے مددگاروں کو پھانسی دینا اس وقت کا عام رول تھا۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ ان ہی مجبور ہو کر دستخط کرنے والے مولویوں سے مولوی حفیظ اللہ خاں اور مولوی نذیر حسین اور ان کے بیٹے مولوی شریف حسین اور ان کے شاگرد ان مولوی محمد صدیق پشاوری اور مولوی عبداللہ مرحوم غزنوی (جن کی اولاد و قبائل اب امرتسر میں آباد ہیں اور اس سلطنت کو امن و آزادی کی نظر سے اپنے قدیم وطن غزنی و کابل سے بہتر سمجھ کر پھر وہاں جانا نہیں چاہتے۔) نے ایک میم کو زخمی پا کر امن دیا اور اپنے گھر میں لے جا کر اس کے زخموں کا علاج کر کے جب موقع پایا سرکاری کیمپ میں پہونچا دیا جس پر ان کو سرکار کی طرف سے انعام و اکرام بھی ہوا اور اگر ان کا اس فتوے پر مہر کرنا دلی ارادے سے ہوتا تو یہ خیر خواہانہ کام ان سے کیوں ہوتا۔"

(۳) تیسرے گروہ میں، مولوی سید احمد علی امام جامع مسجد اور ان کے فرزند سید محمد تھے۔ سید محمد سر سید احمد خاں کے خالہ زاد بھائی تھے۔ ان دونوں باپ بیٹوں کے بھی دستخط تھے۔ اسی طرح مولوی کریم اللہ (۱۲۹۱ھ/۱۸۷۴ء) بھی دہلی کے مشہور واعظ و عالم تھے۔ مفتی رحمت علی خاں بھی مشہور عالم تھے۔ یہ لوگ ۱۸۵۷ء کے بعد فوت ہوئے ان لوگوں پر بھی گورنمنٹ کی طرف سے کوئی دار و گیر نہیں ہوئی۔

بقیہ حضرات کے حالات نہیں ملتے کہ وہ کس درجے کے لوگ تھے، اور جنگ آزادی ۱۸۵۷ء کے بعد ان کا کیا حشر ہوا۔

خانقاہ شاہ حقانی (دہلی) کی حقیقت

روس کے ایک پروفیسر نے ایران میں سیاسی پناہ لی ہے اور وہیں تصنیف و تالیف کا کام شروع کر دیا ہے۔ اس نے برصغیر کی تحریک آزادی ۱۸۵۷ء کا بھی گہرا مطالعہ کیا اور اس پر ایک کتاب لکھنی شروع کی۔ جب اس نے ڈپٹی نذیر احمد کی کتاب "ابن الوقت" پڑھی تو وہ اس نتیجے پر پہونچا کہ اس کتاب کے بعض کردار و واقعات اصلی ہیں، اور اس کتاب میں شاہ حقانی کی جس خانقاہ کا ذکر ہے وہ اس زمانے کی کوئی اصلی خانقاہ تھی چنانچہ اس نے اس سلسلے میں ایک خط ڈاکٹر غلام محی الدین صوفی (ف ۱۹ اپریل ۱۹۶۳ء) لکھا جن سے اسکے بہت اچھے تعلقات تھے ڈاکٹر صاحب نے وہ خط پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی کو بھیجدیا کہ اس سلسلے میں ضروری جواب مستفسر کو بھیج دیا جائے۔ اس زمانے میں راقم الحروف کا تعلق ملازمت، پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی سے تھا، اور راقم ہی نے اس خط کا جواب تیار کیا تھا۔ جو درج ذیل ہے۔

۱۱۔ مولوی عبدالقادر لدھیانوی

ابتدائی حالات

مولوی عبدالقادر ابن حکیم حافظ عبدالوارث، رائیں قبیلے کے چشم و چراغ تھے تقریباً ۱۲۰۶ھ میں موضع نوکھر وال ضلع جالندھر میں پیدا ہوئے[1]۔ پھر ان کے والد نے موضع بلیہ وال ضلع لدھیانہ میں سکونت اختیار کر لی تھی[2]۔ ابتدائی تعلیم والد سے حاصل کی پھر تمام علوم مروجہ کی تحصیل شاہ ولی اللہؒ کے خاندان کے علماء سے دہلی میں حاصل کی[3]، اور حضرت شاہ عبدالقادر دہلوی (ف ۱۲۳۰ھ / ۱۸۱۴ء) کے خلیفہ شاہ عبداللہؒ جے راج پوری کرنالوی سے بیعت ہوئے اور ان ہی سے اجازت و خلافت بھی پائی، اور اپنے علاقے میں تدریس و تبلیغ کا کام شروع کر دیا۔ مولوی عبدالقادر مرحوم کا تعلق سید احمد شہید کی جماعت سے بھی تھا، اور کہا جاتا ہے سید احمد شہید کی اہلیہ نے مولوی عبدالقادر مرحوم کو تین خط بھی بھیجے تھے جو مفتی محمد نعیم صاحب کے پاس ابتک محفوظ ہیں۔

امیر کابل سے تعلق

۱۸۳۶ء میں شاہ زمان الملک امیر کابل اور شاہ شجاع الملک اپنے وزیر فتح علی خاں سے شکست

---

[1] سلیم التواریخ از مولوی محمد اکبر علی صوفی (جالندھر ۱۹۱۹ء) ص ۴۷ ۔ ص ۴۷۳

[2] " " " " " " ۴۷۱ ۔ ۴۷۳

[3] رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی اور ہندوستان کی (باقی اگلے صفحہ پر)

کھاکرانگریزوں کی پناہ میں آکرلدھیانہ رہنے لگے۔ شاہ زمان الملک آنکھوں سے معذور تھے اور تصوف کا ذوق رکھتے تھے، انہوں نے مولوی عبدالقادر لدھیانوی کے ہاتھ پر موضع بلبیہ وال جاکر بعیت کرلی اور پھر مولوی لدھیانوی مرحوم کو لدھیانہ بلالیا۔ مولوی صاحب محلہ موچپورہ میں سکونت پذیر ہوگئے۔ اس کے بعد ان کی تدریسی اور تبلیغی سرگرمیوں کا مرکز لدھیانہ بن گیا۔ اور اصلاح وتبلیغ کے سلسلے میں انہوں نے گرانقدر خدمات انجام دیں۔ ۱۸۴۰ء میں شجاع الملک افغانستان واپس چلاگیا اور دوست محمد خاں کو تخت سے بردار کردیاگیا۔ مگر جلد ہی دوست محمد خاں کو کابل کا تخت پھر مل گیا۔ دوست محمد خاں بھی مولوی عبدالقادر لدھیانوی کا بڑا معتقد تھا۔[۱] جنگ آزادی ۱۸۵۷ء کے بعد ان کے فرزند اکبر مولوی سیف الرحمٰن نے کابل جاکر سکونت اختیار کرلی۔[۲]

جنگ آزادی ۱۸۵۷ء

انقلاب ۱۸۵۷ء میں مولوی عبدالقادر لدھیانوی نے مردانہ وار حصہ لیا۔ اس میں ان کے بڑے بھائی اور چاروں فرزندان، مولوی سیف الرحمٰن، مولوی محمد، مولوی عبداللہ اور مولوی عبدالعزیز شریک رہے۔ مولوی عبدالقادر کی قیادت اور ان کے خاندان کی شرکت کی وجہ سے لدھیانہ تحریک کا خاص مرکز بن گیا۔ سندرلال لکھتے ہیں[۳]

(بقیہ نوٹ صفحہ گزشتہ) جنگ آزادی۔ از عزیزالرحمٰن جامعی۔ (دہلی ۱۹۶۱ء)

ص ۵ [۱] ایضاً ص ۱۵-۱۶ [۱] ایضاً ص ۱۴-۱۵

[۲] ایضاً ص ۲۳ [۳] سندرلال۔ ص ۱۳۳

"لدھیانہ کا شہر پنجاب میں جنگ آزادی کا ایک خاص مرکز تھا۔ شہر بھر میں اس دن سب جگہ جوش تھا، جیل خانہ توڑ دیا گیا، انگریزی مکان جلا دیئے گئے، سرکاری خزانے پر قبضہ کر لیا گیا۔ اس کے بعد جالندھر، لدھیانہ اور پھلور کی فوج مل کر آزادی کی اس جنگ میں حصہ لینے کے لئے دلی کی طرف روانہ ہو گئی۔"

مولوی عبدالقادر نے پنجاب کی فوجوں سے بھی تعلقات قائم کر لئے تھے، مگر یہ ان ہی چھاؤنیوں میں ممکن ہو سکا، جہاں ہندوستانی سپاہی متعین تھے۔ مولانا غلام رسول مہر لکھتے ہیں[1]

"تاریخ اس امر کی شاہد ہے کہ پنجاب میں جہاں جہاں ہنگامے بسلسلہ ۱۸۵۷ء بپا ہوئے وہ پنجابیوں نے نہیں بلکہ ہندوستانیوں نے بپا کئے تھے پنجابیوں نے تو ایک سے زیادہ موقعوں پر درخواست کی تھی کہ انہیں ہندوستانی فوجیوں سے الگ رکھا جائے"

ساورکر لکھتے ہیں[2]۔

"سکھ اور فرنگی فوجوں کے خلاف اپنی تازہ فتح کی خوشی اور مسرت سے سرشار ہو کر قوم پرست فوجی رسالہ

---

[1] جنرل سر عمر حیات خاں ٹوانہ۔ صہ ۱۵۹

[2] ساورکر۔ صہ ۱۵۵ بحوالہ عزیز الرحمٰن جامعی۔ صہ ۵۶

دوپہر کے وقت شہر میں داخل ہوا، شہر میں ایک با اثر مولوی تھے جو ہمیشہ وہاں کے لوگوں کو فرنگی طوق غلامی کو اتار پھینکنے اور سوراج قائم کرنے کی تلقین کیا کرتے تھے، اس مولوی کی تقریروں کا یہ اثر تھا کہ یہ شہر پنجاب کی انقلابی پارٹیوں کا ایک مضبوط مرکز بن گیا۔ اور غلامی کی زنجیروں پر آخری ضرب لگانے کا وقت آگیا تو سارا شہر مولوی صاحب کے اشارے پر بیدار ہوگیا......

لدھیانہ میں بھی انقلاب کی آگ لگی۔ جالندھر، پھلور اور لدھیانہ کی انقلابی افواج اور شہریوں کی قومی فوج مولوی صاحب کی زیر کمان دہلی کی طرف روانہ ہوگئی":

ایک ہم عصر وقائع نگار ۲ر جولائی ۱۸۵۷ء کے ضمن میں لکھتا ہے[1]۔

"عبدالرحمٰن و عبدالقادر دو صد سوار باآویزہ خدمت گرد آوردند نہ بہمیں بس، جستجو و تگاپو زیادہ ازیں دو صد کس بود۔ بخت خاں سپارش نمود کہ خسرو بہ ہر یک زوج دوشالہ بخشود"

مولوی عبدالقادر مسجد فتح پوری (دہلی) میں مقیم ہوئے وہیں انکی اہلیہ کا انتقال ہوا[2]۔

---

[1] عبداللطیف۔ ص۱۸۸

[2] عزیز الرحمٰن جامعی۔ ص۶۱

سقوط دہلی کے بعد مولوی عبد القادر، ان کے بیٹے اور ساتھی کرنال ہوتے ہوتے پٹیالہ کے جنگلات میں روپوش ہو گئے اور لدھیانہ میں مولوی عبد القادر کی تمام جائداد مع مسجد نیلام کر دی گئی۔ اور گرفتاری کے لئے انعام مقرر ہو گیا[1]۔

مولوی عبد القادر اور ان کے بیٹے پٹیالہ سے بیس میل کے فاصلے پر موضع ستلانہ میں قیام پذیر ہو گئے[2]۔ یہاں کے مسلمان راجپوتوں نے ان کی ہر طرح خدمت و حفاظت کی، اور گرفتاری سے بچایا۔ مولوی عبد القادر اور ان کے بیٹوں کے قیام کی وجہ سے اس گاؤں میں اسلامی شعائر خوب رواج پذیر ہوئے[2]۔

۱۲۷۶ھ / ۱۸۶۰ء میں مولوی عبد القادر کا ستلانہ میں انتقال ہوا۔ ان کے بڑے بیٹے مولوی سیف الرحمٰن کابل چلے گئے، اور پھر وطن واپس نہ آئے[3]۔ مولوی سیف الرحمٰن نے دہلی کے مشہور فتوے جہاد پر دستخط کئے تھے۔

۱۸۶۰ء میں مولوی عبد القادر کے تینوں صاحبزادے، مولوی محمد، مولوی عبد اللہ اور مولوی عبد العزیز لدھیانہ واپس آئے، مقامی حکام نے ان کو گرفتار کر لیا اور پھر جلد ہی رہا ہو گئے[4]۔

اس کے بعد از سر نو زندگی کا آغاز ہوا۔ مکانات تعمیر ہوئے مسجد آباد ہوئی درس و تدریس کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ مشہور احرار لیڈر مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی بن مولوی محمد زکریا، مولوی محمد کے پوتے ہیں۔

---

[1] عزیز الرحمن جامعی۔ صہ ۶ [2] ایضاً صہ ۸۰ [3] ایضاً و سلیم التواریخ صہ ۴۷۲ - ۴۷۳

[4] عزیز الرحمن جامعی۔ صہ ۱۰

مولوی عبد اللہ نے سہارنپور کو اپنی سرگرمیوں کا مرکز بنایا اور وہیں ۲۷ ذی قعدہ ۱۳۱۱ھ ہجری کو ان کا انتقال ہوا۔[1] انہوں نے قادیانیت کا خاص طور سے رد کیا۔[2]

مولانا عبد العزیز کا ۲۲ شعبان ۱۳۱۹ھ (۴ دسمبر ۱۹۰۱ء) کو اور مولانا محمد کا ۶ رمضان ۱۳۱۹ھ (۱۸ دسمبر ۱۹۰۱ء) کو انتقال ہوا۔ ان دونوں بھائیوں نے نصرۃ الابرار کے نام سے ایک فتویٰ دسمبر ۱۸۸۸ء میں کتابی صورت میں کانگریس کی شرکت کے جواز میں شائع کیا، جس میں برصغیر کے بہت سے علماء کے دستخط تھے۔ یہ بات خاص طور سے قابل ذکر ہے کہ اس وقت کانگریس حکومت برطانیہ کی مخالف نہ تھی بلکہ موئد تھی۔ اور اس کی فتوے میں بھی صراحت ہے۔ اس فتوے کا دوسرا حصہ سر سید احمد خاں کے خلاف ہے۔

مولوی محمد اور مولوی عبد العزیز نے اہل حدیث کے مسجد سے اخراج کا فتویٰ انتظام المساجد باخراج اہل الفتن والمفاسد لکھا۔

---

[1] سلیم التواریخ۔ صفحہ ۲۷۳ [2] ایضاً و قوم آرائیں از علی اصغر چودھری (لاہور ۱۹۳۶ء) صفحہ ۳۵۳ [3] ملاحظہ ہو عزیز الرحمٰن جامعی۔ صفحہ ۱۸